9

الٰہی جماعتیں ہمیشہ مخالفتوں کے طوفان میں محض خداتعالیٰ کے فضل سے ترقی کیا کرتی ہیں اور یہ ایک بہت بڑا نشان ہوتا ہے

(فرمودہ 26فروری1954ء بمقام رتن باغ لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''شاید بعض دوستوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو کہ میں نے گزشتہ خطبہ میں تو کہا تھا کہ جمعہ کی نماز مسجد میں ہی ہونی چاہیے لیکن آج پھر اس جگہ نماز ہو رہی ہے۔ اس کے لیے میں بتانا چاہتا ہوں کہ گزشتہ سے پیوستہ جمعہ کو چونکہ میں نے عدالتی کارروائی میں شمولیت کرنی تھی اور وہاں سے جمعہ کے لیے مسجد میں جانا مشکل تھا اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ جمعہ یہیں پڑھا جائے اور گزشتہ جمعہ میں مَیں نے کہا تھا کہ مجھ سے پوچھے بغیر جمعہ کا انتظام یہاں کر لیا گیا۔ اب شاید کسی دوست کے دِل میں خیال آئے کہ اِس دفعہ پھر اُسی طرح جمعہ کا انتظام یہاں کر لیا گیا ہے۔ سو میں دوستوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ غالبًا کارکنوں کی غلط فہمی کی بناء پر اس دفعہ جمعہ کا

انتظام مسجد میں نہیں ہوا۔ جب میں یہاں پہنچا تو مجھے پیغام ملا کہ جماعت کے بعض کارکن آئے ہیں اور وہ پوچھتے ہیں کہ جمعہ کی نماز کہاں ہونی چاہیے۔ میں نے جواب میں کہا کہ جمعہ کی اصل جگہ تو مسجد ہی ہے لیکن چونکہ میری آمد کی وجہ سے لوگ زیادہ تعداد میں جمع ہوں گے اور مسجد چھوٹی ہے اس لیے اگر مسجد میں جمعہ کی نماز مناسب نہیں تو نئی جگہ پر جو خریدی گئی ہے جمعہ کی نماز پڑھ لی جائے۔ لیکن اگر وہاں بھی جمعہ کی نماز کا انتظام نہ ہو سکے تو جہاں آپ لوگ چاہیں جمعہ کی نماز پڑھ لیں۔ اب اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ پیغامبر نے پیغام پہنچانے میں غلطی کی یا جماعت کے اُس کارکن نے اس کی بات کو غلط سمجھا۔ بہرحال جواب یہ دیا گیا کہ چونکہ مسجد چھوٹی ہے اور نئی جگہ پر ابھی کھیت ہیں اور ان میں فصل کھڑی ہے ،کھیتی والے وہاں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیں گے اس لیے جمعہ کی نماز یہیں یعنی رتن باغ میں ہوگی۔ اب پتا لگا ہے کہ مقامی آدمی آپس میں یہ بحث کر رہے تھے کہ نئی جگہ پر نماز کے لیے مناسب انتظام کر دیا گیا تھا اور یہ بات غلط ہے کہ وہاں کھیتوں کی وجہ سے نماز جمعہ کا انتظام کرنا مشکل ہے۔ پس یہ غلط فہمی تھی جس کی بناء پر جمعہ کا انتظام رتن باغ میں کیا گیا۔ بہرحال اب جماعت کی یہی کوشش ہونی چاہیے کہ اگر زیادہ تعداد کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھنا مشکل ہو تو نئی جگہ پر نماز پڑھی جائے۔

بہرحال جہاں تک نمازوں کا تعلق ہے نمازیں مسجد میں پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ جب دوست زیادہ تعداد میں ہوں تو نمازیں نئی جگہ پر پڑھ لی جایا کریں تا کہ لوگوں کو وہاں جانے کی عادت ہو جائے اور تا وہاں دعائیں ہوتی رہیں کہ خدا تعالیٰ کا فضل نازل ہو اور جب خدا تعالیٰ کا فضل ہو جاتا ہے تو سب مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ اور اگر کوئی مجبوری ہو تو کسی اَور جگہ نماز پڑھ لی جائے۔ بہرحال جہاں تک ہو سکے چھوٹے اجتماعوں میں مسجد کو مقدم رکھا جائے اور بڑے اجتماعوں میں اُس جگہ کو جو نئی خریدی ہے۔

اس کے بعد میں جماعت کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جیسا کہ دوستوں کو معلوم ہے ہماری جماعت قسم قسم کے خطرات میں سے گزر رہی ہے۔ بعض خطرات ہمیں نظر آتے ہیں اور بعض خطرات ہمیں نظر نہیں آتے۔ بعض رپورٹیں ایسی آ رہی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جگہوں پر لوگ پھر فساد پیدا کرنے اور فتنہ کی آگ بھڑکانے کی کوشش

کر رہے ہیں اور پھر بعض ایسی اندرونی باتیں بھی پیدا ہو رہی ہیں جن کی وجہ سے یہ نظر آتا ہے کہ شاید جماعت کے لیے کسی نہ کسی شکل میں کوئی ناپسندیدہ بات ظاہر ہو۔ ایسے حالات میں مومن کو سب سے زیادہ خداتعالیٰ کے سامنے جھکنا چاہیے اور اُسی سے دعائیں کرنی چاہییں کیونکہ جو کام انسانی ہاتھ نہیں کر سکتا وہ خداتعالیٰ کا ہاتھ کر سکتا ہے۔

الٰہی جماعتیں تو ہمیشہ ہی ایسی شکل میں ترقی کیا کرتی ہیں۔ جیسے انسان کا بچہ کسی بھیڑیے یا شیر کی کچھار میں پرورش پاتا ہو۔ بیشک شیروں کی کچھار میں انسان کے بچے کا پرورش پانا ایک معجزہ ہوتا ہے لیکن اس سے بھی بڑا معجزہ یہ ہوتا ہے کہ الٰہی جماعتیں مخالفتوں کے طوفان میں ترقی کر جاتی ہیں۔ آج تک کوئی الٰہی جماعت ایسی قائم نہیں ہوئی جس کو معجزانہ زندگی نہ ملی ہو۔ ایک شخص خطرناک بیمار ہوتا ہے اور علاج کے بعد اچھا ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک خطرناک بیمار ایسا ہوتا ہے جس کے بچنے کی امید نہیں ہوتی اور طبیب اُس کو لاعلاج سمجھ کر جواب دے دیتے ہیں۔ وہ صدقہ و خیرات کرتا ہے اور اس صدقہ و خیرات کے نتیجہ میں خداتعالیٰ کا فضل ظاہر ہوتا ہے اور وہ اس بلاء کو دور کر دیتا ہے اور ڈاکٹر حیران ہوتے ہیں کہ خداتعالیٰ نے اُسے کس طرح معجزانہ زندگی دے دی ہے۔ لوگ اس کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جب وہ اُن کی آنکھوں کے آگے سے گزرتا ہے تو وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ایک بہت بڑا نشان دیکھا ہے۔ یہ شخص سخت خطرناک مرض میں گرفتار تھا، طبیب جواب دے چکے تھے لیکن خداتعالیٰ نے اسے صحت عطا کر دی۔ بیشک یہ بھی ایک بڑا نشان ہوتا ہے لیکن اِس سے بھی بڑا نشان یہ ہوتا ہے کہ الٰہی جماعتیں مصائب اور آفات کے طوفانوں میں سے سلامتی کے ساتھ گزر کر اپنی کامیابی کی منزل کو حاصل کر لیتی ہیں کیونکہ مرض ارادہ والی چیز نہیں ہوتی۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں مرض فلاں شخص کو ارادۃً مارنے آئی تھی۔ وہ اتفاقی حادثات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ لیکن مخالفت ایک ایسی چیز ہے جس کے پیچھے ارادہ ہوتا ہے اور جب کسی چیز کے ساتھ ارادہ ہوتا ہے تو وہ زیادہ خطرناک ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک پتھر کسی بلند جگہ سے انسان کے سر پر گرے تو وہ اُسے مار دے گا یا زخمی کر دے گا لیکن چھت سے یا کسی بلند جگہ سے اس کے گرنے میں دوسرے کی موت کا احتمال کم ہوتا ہے۔ یعنی یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ پتھر کسی انسان کے سر پر

گر کر اُسے ہلاک کر دے۔ ممکن ہے پتھر چھت پر سے گرے اور وہ کسی انسان کو نہ لگے یا وہ کسی انسان کو لگے مگر اُسے ایسی ضربات نہ آئیں جن کے نتیجہ میں اس کی موت واقع ہو۔ لیکن اگر کوئی رائفل کا نشانہ بنا کر گولی چلاتا ہے تو چونکہ اس میں ارادہ شامل ہوتا ہے اس لیے اس میں موت کا بہت زیادہ احتمال ہوتا ہے۔ پس انسان جب کسی کو مارتا ہے تو وہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ اس میں اس کے مارنے کی نیت اور ارادہ بھی ہوتا ہے۔ بیماری کا علاج کرو اور علاج اس کے مطابق ہو تو وہ ہٹ جائے گی لیکن کسی انسان کو ہٹانا چاہو تو وہ نہیں ہٹے گا۔ تم ایک طرف سے ہٹاؤ گے تو وہ دوسری طرف چلا جائے گا۔ تم اُدھر سے ہٹانے کی کوشش کرو گے تو وہ تیسری طرف چلا جائے گا کیونکہ اُس کی نیت مارنے کی ہوتی ہے اور وہ اس کے لیے ہر ڈھنگ اور طریق اختیار کرتا ہے۔

خداتعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ جماعتیں جب مخالفت کے طوفان سے بچتی ہیں تو وہ باوجود دشمن کے ارادہ اور نیت کے بچتی ہیں اس لیے یہ نشان بہت بڑا ہوتا ہے۔ اور جب انسان کے سامنے اس قدر بڑے نشانات آئیں تو وہ خداتعالیٰ کو کیوں یاد نہ کرے گا۔ جب سے دنیا قائم ہوئی، خداتعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ کوئی جماعت ایسی نہیں گزری جسے خداتعالیٰ نے شیر کے منہ سے نکال کر بچایا نہ ہو۔ شیر کے منہ سے انسان کا بچ جانا ممکن ہے لیکن جس قسم کے فتنوں سے خداتعالیٰ اپنی جماعتوں کو بچاتا ہے بظاہر اُن سے بچ نکلنا مشکل ہوتا ہے لیکن الٰہی سنت یہی ہے کہ وہ اپنی جماعتوں کو اس قسم کے خطرناک مصائب میں ڈال دیتا ہے اور پھر ان سے محفوظ کر لیتا ہے اور اِس طرح لوگوں کو عظیم الشان نشان دکھاتا ہے۔ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا، حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا، حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا۔ ان کے علاوہ تمام انبیاء کے زمانہ میں چاہے اُن کا ذکر قرآن کریم میں ہوا ہے یا نہیں ہوا ایسا ہی ہوا۔ جن قوموں کے نام لے کر خداتعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر نہیں کیا صرف یہی کہہ دیا ہے کہ ہر قوم میں میرے رسول آئے ہیں1 اُن کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا۔ مثلاً تم کہہ سکتے ہو کہ یہودیوں کا یہ خیال تھا کہ کوئی شخص جب خداتعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے تو اُس کی جماعت پر

مصائب اور تکالیف آتی ہیں۔ اس لیے ممکن ہے انہوں نے اِس قسم کی باتیں تاریخ میں داخل کر دی ہوں لیکن ہم کہیں گے اچھا! اگر یہ یہودیوں کا خیال تھا کہ انبیاء کی جماعتوں پر مصائب آتے ہیں اور انہوں نے تاریخ میں اِس قسم کی باتیں شامل کر دی ہیں تو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں تو یہودی موجود نہیں تھے کہ انہوں نے اس قسم کی باتیں تاریخ میں شامل کر دی ہوں۔ پھر تم کہہ سکتے ہو کہ حضرت نوح علیہ السلام کی تاریخ بھی یہودیوں نے لکھی ہے اس لیے ممکن ہے کہ انہوں نے اس قسم کی باتیں شامل کر دی ہوں۔ہم اس بات کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو یہودی مانتے ہی نہیں تھے۔ ان کی تاریخ میں بھی یہ ذکر آتا ہے کہ ان پر اور ان کی قوم پر ہر قسم کے مصائب آئے، ان کو تو یہ بیان کرنا چاہیے تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بہت عزت ہوئی تھی۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کو بھی جانے دو، مکہ والوں پر یہود کا کیا اثر تھا۔ پھر مکہ والوں کے متعلق بھی یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ سامی النسل تھے، ان پر یہود کا اثر تھا۔ زرتشت علیہ السلام ایران میں مبعوث ہوئے تھے ان کے متعلق بھی یہ روایت پائی جاتی ہے کہ ان پر اور ان کی قوم پر سخت مصائب آئے۔ خداتعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں ان مصائب سے نکالا اور انہیں ترقی بخشی۔ پھر تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ایران کا علاقہ عرب کے قریب تھا۔ وہ لوگ عربوں اور یہودیوں سے متأثر تھے اس لیے انہوں نے اپنی تاریخ میں اس قسم کی باتیں لکھ دی ہیں۔لیکن ہندوستان کا ملک تو ان سے بہت دور تھا۔ پھر بھی ان کے انبیاء کے متعلق اِس قسم کی روایات ملتی ہیں۔ حضرت رام چندرؑ بھی اوتار تھے۔ ان کی ساری زندگی بن باس میں ہی گزر گئی۔ حضرت کرشنؑ اوتار تھے، ان کے زمانہ میں بھی لڑائیاں ہوتی رہیں اور انہی لڑائیوں میں ان کی ساری زندگی گزر گئی۔غرض ہر قوم جس میں کسی شخص کی آمد پر ایمان کا اظہار کیا گیا تھا یا انہوں نے کسی سے عقیدت کا اظہار کیا ہے ان سے ایک ہی قسم کا سلوک ہوا ہے اور یہ ایسی شہادت ہے جس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہوا۔بعض باتوں میں اختلاف بھی ہو جاتا ہے لیکن اس بات میں اختلاف نہیں ہوا کہ ان کو اور ان کی قوموں کو تکالیف دی گئیں۔ حضرت نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، زرتشتؑ، کرشنؑ، رام چندرؑ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیموں میں فرق نظر آتا ہے۔ پھر کوئی نبی کسی قوم میں پیدا ہوا اور کوئی کسی قوم میں

پیدا ہوا۔ اس میں بھی فرق نظر آتا ہے۔ پھر کوئی سفید تھا اور کوئی کالا تھا۔ اس میں بھی فرق نظر آتا ہے۔ پھر کوئی، کوئی بولی بولتا تھا اور کوئی، کوئی بولی بولتا تھا۔ اس میں بھی فرق نظر آتا ہے۔ لیکن اِس بات میں کوئی فرق نہیں کہ ہر نبی جب دنیا میں مبعوث ہوا اُس کی قوم خطرناک حالات میں سے گزر کر ترقی کر گئی۔ دشمن نے انہیں دکھ دیئے، تکالیف دیں، مصائب کے پہاڑ اُن پر توڑے لیکن وہ پھر بھی زندہ رہیں اور ترقی کر گئیں۔ یہ اتنا بڑا نشان ہے کہ اگر انسان اِس پر غور کرے تو یہ اُس کے ایمان کی ترقی کا موجب ہو جاتا ہے لیکن اِس کے باوجود انسان سمجھتا ہے کہ ان قوموں نے طاقت اور زور سے ترقی حاصل کی تھی حالانکہ اگر طاقت اور زور سے ہی ترقی حاصل کی تھی تو ان سے پہلے بھی تو بہت سی قومیں گزری ہیں۔ روایات بتاتی ہیں کہ جب بھی کسی قوم نے دین کو پھیلایا ہے تو وہ دوسری قوموں پر غالب آئی ہے۔ لیکن وہ طاقت اور زور سے غالب نہیں آتی۔ الٰہی نصرت کے ذریعہ غالب آئی ہے۔ اس میں طاقت اور قوت نہیں تھی لیکن خداتعالیٰ نے اُن سے کام لیا۔ اور اس کا کام لینے کا طریق ایسا ہی ہے جیسے کوئی ماں میز اُٹھانے لگی ہو تو بچہ آ جائے اور کہے میں میز اُٹھاؤں گا۔ ماں کہتی ہے اچھا! تم اُٹھاؤ! اور وہ دیکھتی ہے کہ بچہ اس میز کو پکڑ کر بظاہر زور لگا رہا ہے لیکن اس کے زور لگانے سے میز اُٹھایا نہیں جا سکتا۔ ماں اس میز کو اُٹھاتی جاتی ہے اور ساتھ ساتھ یہ کہتی جاتی ہے لگاؤ زور! حالانکہ بچہ صرف میز پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ اس کے کام میں مدد نہیں دے رہا ہوتا۔ بلکہ بسااوقات اس کے لیے زیادہ بوجھ کا موجب بن رہا ہوتا ہے۔ اِسی طرح خداتعالیٰ ہم سے کہتا ہے دو چندے، کرو قربانیاں۔ حالانکہ ان چندوں اور قربانیوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ جو کام خداتعالیٰ مجددین، مصلحین اور انبیاء کی جماعتوں سے لیتا ہے۔ اسے دیکھو تو اس کے سامنے ان کی قربانیاں اور کوششیں ہیچ نظر آتی ہیں۔ لیکن باوجود اس کے کہ سامان، طاقت اور قوت کم ہوتی ہے، مصلحین، مجددین اور انبیاء کی جماعتیں ترقی کر جاتی ہیں۔ ان کی قربانیوں کے مقابلہ میں کام زیادہ ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ لو آپ کے پاس مال اور ذرائع بہت کم تھے۔ آپ کے بعد جو لوگ آئے ان کے ذرائع زیادہ تھے۔ ان کے پاس مال زیادہ تھا لیکن جو کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کے خلفاء کے زمانہ میں ہوا وہ

بعد میں نہیں ہوا۔ اِس طرح خداتعالیٰ نے بتا دیا کہ جو کام ہوا ہے وہ طاقت، قوت اور آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہوا۔ اگر طاقت، قوت اور آدمیوں کے ذریعہ سے وہ کام ہوا تھا تو اب میں نے طاقت، قوت اور آدمیوں کو بڑھا کے دکھا دیا ہے لیکن کام پہلے کی نسبت بہت کم ہوا ہے۔ جو تغیر انسانی قلوب، احساسات، جذبات اور نظم ونسق میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں ہوا اور جو کام آپؐ کی جماعت نے کیا بعد میں بنوعباس اور بنوامیہ نے اس سے ہزاروں گُنے زیادہ آدمیوں، طاقت اور قوت کے باوجود نہیں کیا بلکہ وہ لوگ اپنے آپ کو بھی نہ سنبھال سکے اور ایک دوسرے کو مارتے رہے۔

کُجا یہ حالت تھی کہ مسلمان سب ایک جتھا تھے اگر کسی وجہ سے کسی کے جذبات بھڑک اُٹھتے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منہ سے ایک لفظ نکلتا اور وہ سرد پڑ جاتے۔ لیکن اب کسی کا پَیر غلطی سے بھی دوسرے کے پَیر پر پڑ جائے تو وہ کئی باتیں کرتا ہے اور کہتا ہے تمہیں تہذیب حاصل نہیں؟ کُجا وہ حالت تھی کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ لڑ پڑے۔ حضرت عمرؓ کی طبیعت سخت تھی۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو سخت سُست کہا اور پھر غصہ میں آ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس شکایت کرنے چلے گئے۔ دوسرے لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا عمر! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کرنے گئے ہیں۔ وہ غصہ میں ہیں۔ واقعہ انہیں سمجھ میں نہیں آیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ پر ناراض ہو جائیں۔ اس لیے آپ بھی جائیں۔ پہلے تو آپ نے اس بات کی طرف دھیان نہ دیا۔ آپ اپنے گھر تشریف لے گئے لیکن بعد میں خیال آیا کہ شاید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیال فرمائیں کہ سختی میں نے کی ہے۔ چنانچہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں تشریف لے گئے اور دیکھا کہ حضرت عمرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ کہہ رہے ہیں کہ آج مجھ سے ابوبکرؓ پر کچھ سختی ہوگئی ہے۔ اس خیال سے کہ شکایت نہ کر دیں۔ میں پہلے ہی معافی مانگنے آ گیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے بات ختم ہی کی تھی کہ آپ بھی مجلس میں جا پہنچے اور خیال کیا کہ میں بھی اپنی شکایت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے پیش کر دوں۔ چنانچہ آپ نے آگے قدم بڑھائے تا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا

بیان پیش کریں۔ لیکن پیشتر اِس کے کہ حضرت ابوبکرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچتے آپؐ نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے جواب دینا شروع کیا۔ اُس وقت آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا اے لوگو! تم کو کیا ہو گیا !! کہ جب تم سب میری اور اسلام کی مخالفت کرتے تھے اُس وقت صرف ابوبکرؓ تھا جو میری تائید کیا کرتا تھا۔ کیا تم اب بھی ہم دونوں کو دکھ دینے سے باز نہیں آتے۔ حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، حضرت عمرؓ پر ناراض ہوئے ہیں آگے بڑھے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہنا شروع کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ ! غلطی میری ہی ہے۔ آپ عمر پر خفا نہ ہوں۔2

اب دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قلوب کی کس طرح صفائی کر دی تھی۔ اگر تم میں سے کوئی شخص وہاں ہوتا تو وہ نہ صرف معافی نہ مانگتا بلکہ یہ کہتا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپؐ نے اس کے جُرم کو کم سمجھا ہے۔ اس نے ظلم زیادہ کیا تھا۔ بیسیوں دفعہ میں نے دیکھا ہے کہ اگر ہم کسی شخص کو اُس کے جُرم کی سزا دیتے ہیں تو دوسرے لکھتے ہیں کہ اس کا جُرم تو بہت زیادہ تھا اسے جماعت سے خارج کیوں نہیں کر دیا گیا۔ اس کو تو جماعت سے خارج کر دینا چاہیے تھا، اسے مرتد قرار دے دینا چاہیے تھا۔ اس کو اِس اِس طرح پیسنا چاہیے۔ اور اِدھر یہ حالت ہے کہ ایک آدمی پر ظلم کیا جاتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کی حمایت بھی کرتے ہیں لیکن وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ آپ دوسرے شخص پر ناراض ہوں۔ یا تو وہ اپنی براءت کرنے آیا تھا اور یا وہ یہ کہتا ہے کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! قصور میرا ہی ہے۔ یہ تغیر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیدا کیا بنوامیہ اور بنوعباس اپنے سارے روپیہ اور طاقت سے بھی پیدا نہ کر سکے۔ اُس وقت کئی ایسے لوگ موجود تھے جنہیں بنوعباس اور بنوامیہ کی حکومتیں روپیہ دیتی تھیں لیکن وہ اندرونی طور پر ان کے دشمن تھے۔ برامکہ3 کو دیکھ لو بنوعباس نے اِس خاندان کو کتنی عزت دی۔ انہیں غلامی سے اُٹھا کر بادشاہ بنا دیا لیکن بنوعباس کی سلطنت کے خلاف برامکہ کے خاندان نے ہی سازش کی اور آخر ہارون الرشید کو مجبور ہو کر اِس خاندان کے لوگوں کو قتل کرانا پڑا۔ اِس کے مقابلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ اپنے ماننے والوں کو یہی فرماتے تھے قربانیاں کرو۔ چنانچہ وہ روپیہ دیتے تھے، قربانیاں کرتے تھے اور

سمجھتے تھے کہ آپ نے ان کو قربانی کا ارشاد فرما کر ان پر احسان کیا ہے۔ آپ کا حکم سنتے ہی وہ اپنی جان اور مال قربان کر دیتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کو جسے اُس نے کھڑا کیا ہے یہ نظارہ دکھا دیا ہے تا اسے یہ خیال پیدا نہ ہو کہ اس نے جو وجاہت اور شان حاصل کی ہے وہ اس کے زور اور قوتِ بازو کے نتیجہ میں ہے۔ وہ اپنی اِس حالت کو دیکھیں اور غور کریں کہ جب وہ کمزور تھے تو ان کے کام کا کیا نتیجہ نکلا۔ اور اب جبکہ وہ تعداد میں بھی بڑھ گئے ہیں اور ان کی مالی حالت بھی بہت ترقی کر گئی ہے ان کے کام کا کیا نتیجہ نکل رہا ہے۔ پھر کوئی اَور ترقی یافتہ قوم ہو تو تم کہہ سکتے ہو کہ اُن کے پاس وہ شان نہیں تھی لیکن یہاں تو یہ ہو رہا ہے کہ ایک وقت میں جو قوم کامیاب اور کامران تھی اُسی کی نسل اپنے اس کام میں ناکام ہو جاتی ہے جس میں ان کے ماں باپ بہت تھوڑے سامان کے ہوتے ہوئے کامیاب ہو گئے تھے۔ اِس سے پتا لگتا ہے کہ اُس وقت خدا تعالیٰ خود انہیں ترقی دے رہا تھا۔

پس تم اپنے کاموں میں خدا تعالیٰ پر نظر رکھو، اُس کے سامنے جھکو، اُس سے دعائیں کرو۔ مصائب جب آتے ہیں تو ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو مخفی ہوتے ہیں اُن کا کسی کو پتا نہیں ہوتا۔ اِسی رتن باغ میں مَیں نے بعض خطبے پڑھے تھے۔ اگر تمہارا حافظہ ٹھیک ہے تو تمہیں یاد ہوگا جب تقسیمِ ملک کے وقت جماعت نے اچھا کام کیا تو سب طرف سے اس کی تعریفیں ہو رہی تھیں۔ میں نے اُس وقت کہا تھا کہ تمہاری یہ تعریفیں جو اَب ہو رہی ہیں زیادہ دیر تک قائم نہیں رہیں گی۔ یہی لوگ تمہاری مخالفت کریں گے۔ اس لیے تم ان تعریفوں کو سن کر سُست نہ ہو جاؤ۔ لیکن تمہارے دماغوں پر یہی اثر تھا کہ یہ لوگ ہماری تعریفیں کر رہے ہیں۔ اگر ہم نے تبلیغ شروع کر دی تو یہی لوگ ہمارے مخالف ہو جائیں گے۔ لیکن اس کے بعد وہ کچھ ہوا جس کا کسی کو خیال بھی نہ تھا اور جماعت کو پتا لگ گیا کہ ان تعریفوں کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ اصل تعریف وہی ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ جو تعریف خدا تعالیٰ کرتا ہے وہ قیامت تک جاتی ہے لیکن انسان آج خوشامد کرتا ہے اور کل گالیاں دینے لگ جاتا ہے۔

میرے ہی زمانہ میں جماعت کے بعض لوگوں کو پانچ سات مرتبہ ٹھوکر لگی۔ وہ لوگ میرے خطبے سنتے تھے اور جھومتے تھے۔ میرے ہاتھ چومتے تھے لیکن بعد میں انہیں ٹھوکر لگی

تو انہوں نے مجھے غلیظ ترین گالیاں دیں۔ اخبارات میں میرے متعلق جھوٹی اور فحش خبریں اور مضامین شائع کیے۔ اگر اُن کا زور چلتا تو جس کا نام محمود تھا اُس کا نام ذلیل ہو جاتا۔ لیکن اس کا محمود نام خداتعالیٰ نے رکھا تھا۔ اس لیے وہ تمام فتنوں میں اسے محمود ہی بناتا جاتا تھا۔ بعض دوست آئے اور ایک وقت تک انہوں نے خوب اخلاص دکھایا اور ہمیں بھی ان سے بعض امیدیں پیدا ہوگئیں لیکن بعد میں وہی لوگ دشمن ہو گئے اور انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ اسے ہم لوگوں نے ہی عزت دی ہے اور اب ہم لوگ ہی اسے ذلیل کریں گے۔

میری خلافت کا غالبًا دوسرا سالانہ جلسہ تھا یا پہلا ہی جلسہ تھا کہ لاہور سے ایک چھپا ہوا اشتہار مجھے پہنچا۔ اس میں مولوی محمد احسن صاحب امروہی کا یہ اعلان تھا کہ میں نے اسے خلیفہ بنایا تھا اور اب میں ہی اسے معزول کرتا ہوں۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دوستانہ تعلقات تھے لیکن جب آپ نے مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے یہی کہا کہ میں نے انہیں عزت دی تھی اور اب میں ہی انہیں ذلیل کروں گا۔ اب دیکھو دونوں میں سے کس کی بات درست نکلی؟ جن دوستوں پر یہ خیال تھا کہ وہ بڑھانے والے ہیں انہوں نے بعد میں مقابلہ کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذلیل کرنا چاہا؟ لیکن آپ کو مسیح اور مہدی خداتعالیٰ نے بنایا تھا اس لیے اس نے کہا میں آپ کو ترقی دوں گا، آپ کو بڑھاؤں گا اور آپ کے دشمنوں کو ناکام و نامراد بناؤں گا۔ چنانچہ ایک دن ایسا بھی آیا جب عیسائیوں کی طرف سے آپ پر مقدمہ دائر ہوا تو یہ مولوی عیسائیوں کی تائید میں آپ کے خلاف عدالت میں پیش ہوئے اور انہوں نے کہا اس شخص سے امید ہی یہی تھی کہ وہ اس کو قتل کرا دیں گے۔ بعض بیوقوفیوں کی وجہ سے مجسٹریٹ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پر ناراض ہوا۔ مجسٹریٹ نے کہا تم عدالت کی ہتک کر رہے ہو اور غصہ میں آ کر کہا عدالت سے نکل جاؤ۔ اُس وقت بہت سے لوگ عدالت کے باہر جمع ہو گئے تھے اور وہ عدالت کے فیصلہ کا انتظار کر رہے تھے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے خیال کیا کہ مجسٹریٹ نے جو سلوک مجھ سے کیا ہے اس کا ان لوگوں کو پتا نہ لگے۔ کسی شخص کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ مولوی محمد حسین اُس چادر پر بیٹھ گئے اور سمجھا کہ لوگ یہ خیال کریں گے

کہ اس شخص نے میرے اعزاز اور احترام کی وجہ سے اپنی چادر بچھا دی ہے۔ لیکن وہ چادر پر بیٹھے ہی تھے کہ چادر کے مالک نے کہا میری چادر کو پلید نہ کرو۔ تم مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے عدالت میں آئے ہو تمہیں کوئی حق حاصل نہیں کہ میری چادر پر بیٹھو۔ گویا مولوی محمد حسین بٹالوی کا تو یہ خیال تھا کہ مرزا صاحب کو مقامِ ماموریت پر میں نے ہی کھڑا کیا ہے لیکن خدا تعالیٰ نے کہا تم میرے مامور کو ذلیل کرنے پر تُلے ہوئے ہو میں تمہیں سفید چادر پر بھی نہیں بیٹھنے دوں گا۔

پس انسان کی دی ہوئی عزت اور اس کی تعریفیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ اصل عزت وہی ہے جو خدا تعالیٰ دے۔ اور اصل تعریف وہی ہے جو خدا تعالیٰ کرے۔ مومن کو اُس کی طرف جھکنا چاہیے اور اُس سے مانگنا چاہیے۔ جو چیز خدا تعالیٰ دے گا وہ اُسے واپس نہیں لے گا۔ لیکن انسان ممکن ہے ایک عرصہ کے بعد تمہارا دشمن ہو جائے اور تمہیں ذلیل کرنے کی کوشش کرے۔ پس تم خدا تعالیٰ سے مانگو اور اُس چیز کی خواہش نہ کرو جو چھینی جا سکتی ہے۔ اِس کے ساتھ کچھ عرصہ کے لیے تمہیں دنیا میں عزت حاصل ہو سکتی ہے لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

پس تم خدا تعالیٰ سے دعائیں کرو۔ دعاؤں میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ تم خدا تعالیٰ سے اُس کا فضل طلب کرو کیونکہ جب خدا تعالیٰ کا فضل آئے گا تو کوئی انسان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہو تو تم موجودہ تعداد سے لاکھ گُنا بھی بڑھ جاؤ تو تمہاری کوئی عزت نہیں۔ مسلمانوں کو دیکھ لو اِس وقت ان کی تعداد ساٹھ کروڑ کے قریب ہے لیکن اِس وقت جو اِن کی حیثیت ہے وہ یورپ کی چھوٹی چھوٹی طاقتوں سے بھی کم ہے۔ لیکن ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمانوں کی تعداد چالیسواں حصہ تھی۔ یعنی بنوامیہ کے زمانہ میں جب مسلمانوں کی تعداد پچاس ساٹھ لاکھ تھی یا بنوعباس کے زمانہ میں جب ان کی تعداد دو تین کروڑ تھی اُس وقت ساری دنیا نے ان کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ پس تعداد اپنی ذات میں ایسی چیز نہیں کہ اِس پر فخر کیا جائے۔ جن لوگوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے وہ تھوڑے بھی ہوں تو بہت ہوتے ہیں اور جن لوگوں کے ساتھ

خداتعالیٰ کا فضل نہیں ہوتا وہ زیادہ تعداد میں بھی ہوں تو تھوڑے ہوتے ہیں"۔

(المصلح 14مارچ 1954ء)

---

1 : وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ (فاطر:25)

2 : صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم باب قول النبی صلی الله علیه وسلم لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خلیلًا و کتاب التفسیر باب قل یایها الناس انّی رسول الله الیکم جمیعًا

3 : برامکہ :(برمکی خاندان)"برمک" آتشکدہ نو بہار(بلخ کا آتشکدہ جو مملکت عجم کے چار بڑے آتشکدوں میں سے تھا) کے پروہت یا متولی کو کہا جاتا ہے۔ اسی نسبت سے خلافت عباسیہ کے اس امیر و مقتدر خاندان کا لقب" برامکہ" پڑا۔ اس خاندان کی بنیاد خالد بن جاماسپ برمک کے اقتدار سے پڑی۔(اردو جامع انسائیکلو پیڈیا ۔ جلداول صفحہ 236"برمکی خاندان"۔ لاہور 1987ء)